OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 4, Issue 2 (April-June 2021)

مسلم ملک میں غیر مسلم حکمران کا تقرر: مسلمان مفکرین کی آرا اور منتخب مسلم ممالک کے دساتیر کی روشنی میں ایک مطالعہ

Appointment of Non-Muslim Ruler in a Muslim Country: A Study in the light of the Opinions of Muslim Thinkers and Selected Constitutions of Muslim Countries

Syed Adeel Shah

Doctoral Candidate, Department of Islamic Studies, Al-Hamd Islamic University, Islamabad

Muhammad Zeeshan Rafique

Doctoral Candidate, Department of Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad

Samreen Akram

Doctoral Candidate, Department of Islamic Studies, Government College University, Faisalabad

Abstract

The modern world has turned in to multicultural and the socio-political form. Changes have created a new code of conduct at a global level not just socioly but politically as well. Multireligious societies have evolved due to which the nature of modern politics has raised new questions for traditional Muslim thoughts. It has been said that Muslim countries have also to choose a new democratic system of politics in which it is not inevitable to appoint only Muslim rulers in Muslim states. Traditional and liberal narratives have got into the ideological conflict in Muslim countries in this regard. This study deals with the logic of both above-said categories of thinkers. The shreds of evidence from the Quran and Hadith, which prohibits the appointment of non-Muslim in Muslim countries, are presented first along with the logics put forward by

such Muslim scholars who take them into consideration. Inferences of the liberal narrative have been explained followed by ending remarks through conclusion.

Key Words: Islam, Politics, Ruler, Khalifa, President, Muslim, Non-Muslim, Liberal, Tradition

قیامِ پاکستان کے وقت مسلمانوں کے سامنے یہ سوال موجود تھا کہ ایک آزاد اور کود مختار ریاست کے حکومتی ڈھانچے کی تشکیل کے دوران غیر مسلموں کی کیا حیثیت ہو گی۔ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر برصغیر کے اہم علماء نے اس کا جواب دیتے ہوئے واضح کیا ہے کہ اسلامی ریاست اپنی نوعیت میں ایک نظریاتی ریاست ہوتی ہے۔ اس لیے اس کی حکومت کی باگ دوڑ انہی لوگوں کو سونپی جاسکتی ہے جو لوگ اسلامی نظریہ حیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو لوگ اسلامی ضابطہ حیات پر ایمان رکھنے کے بجائے غیر اسلامی نظامِ زندگی کو اپنائے ہوئے ہیں وہ اسلامی ریاست کی حکومت کی زمامِ کار اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے اسلامی ریاست میں رہنے والے باشندوں کو مسلمان اور غیر مسلم کی بنیاد پر تقسیم کیا جائے گا اور دونوں کے مابین مخصوص امور میں تفریق و امتیاز قائم کیا جائے گا۔ اس طرح سیاسی اعتبار سے مسلمان اور غیر مسلم مساوی مقام و مرتبے کے نہیں قرار پاتے ہیں[1]۔ اس امتیاز کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلم ذہانت اور قابلیت کے اعتبار سے مسلمانوں کے برابر بلکہ ان سے اعلیٰ بھی ہو سکتے ہیں لیکن مذہبی نفسیات کی بنیاد پر یہ خدشہ بہر حال موجود رہتا ہے کہ وہ ایک اسلامی نظریاتی سر زمین میں اسلام کے فکری نظم و ضبط کی بہتری کے لیے خلوص اور عزمِ صمیم کا مظاہرہ نہیں کر پائیں گے۔ دوسری جانب انصاف کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندوں سے یہ مطالبہ نہ کیا جائے کہ وہ اسلامی نظریات کی ترویج و ترقی کے لیے فعال کردار ادا کریں۔ کسی بھی شخص کو ایسی تنظیم، تحریک، ادارے یا ریاست کی امارت یا قیادت نہیں سونپی جاسکتی ہے جو اس کے عقائد و نظامِ فکر سے متصادم ہو۔ چنانچہ مسلمان علماء نے صراحت کے ساتھ واضح کیا ہے کہ اسلامی ریاست کے حکمران کے تقرر کے لیے متعدد شرائط کا یقینی ہونا لازمی امر ہے۔ اس حوالے سے ماوردی نے حکمران کے نہ صرف مسلمان ہونے کی تاکید ہے بلکہ اس میں شرعی و دینی علوم کی مہارت کا پیا جانا اور اجتہاد کی صلاحیت کا ہونا بھی لازم قرار دیا ہے[2]۔ امام غزالی نے بھی اسلامی ریاست کے حکمران میں متعدد اوصاف کا ہونا ضروری قرار دیا ہے البتہ انھوں نے الماوردی کی طرح حکمران میں اجتہادی صلاحیت کا پایا جانا ضروری نہیں سمجھا ہے بلکہ شرعی علوم کے ساتھ اس کی واقفیت کو کافی باور کروایا ہے[3]۔ ابن خلدون نے بھی اسلامی ریاست کے حکمران کی شرائط پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس نے غیر مسلم کے لیے اس منصب کی تفویض کا ذکر نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مطابق بھی اسلامی ریاست کے حکمران کے لیے مسلمان ہونے کے ضمن میں دورائے نہیں ہیں[4]۔ امام ابن تیمیہ نے حکمران میں مسلمان ہونے کے علاوہ متقدمین کی طے کردہ شرائط میں نرمی اختیار کی ہے۔ ان کا موقف ہے کہ خلفاءِ راشدین کے اوصاف کو سامنے رکھ کر جو معیار قائم کیا گیا ہے اس پر بعد میں آنے والے حکمران پورے نہیں اترتے ہیں اس لیے اگر اس کسوٹی پر پورا اترنے میں کسی حد تک کمزور حکمران بھی میسر ہو تو اس کی بیعت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود امام ابن تیمیہ نے غیر مسلم کی حکمرانی کا کوئی امکان ظاہر نہیں کیا ہے[5]۔ ان کے علاوہ جن علماء نے اسلامی ریاست کے حکمران کے لیے مسلمان ہونا اولین شرط قرار دیا ہے ان علماء میں امام طبری، امام جصاص، علامہ آلوسی، امام ابن کثیر، الماوردی، القایا الحارثی، الجوینی، ابن عربی، امام قرطبی، امام زمحشری، قاضی بیضاوی، طباطبائی، امام شوکانی، حسن البنا، سید قطب، حسن اسماعیل الہدیبی، سید مودودی، عبد الوہان الخلاف، وہبہ زخیلی اور تقی الدین نبھانی شامل ہیں۔ ان

علماء کی فکر کو ہی معاصر مسلمانوں میں زیادہ مقبول سمجھا جاتا ہے[6]۔ غیر مسلم کو مسلمانوں کا حکمران مقرر نہ کرنا اس اعتبار سے بھی منطقی سمجھا جاتا ہے کہ غیر مسلموں کو مسلمانوں کے دشمن تصور کیا جاتا ہے۔ اسی لیے زمخشری کے مطابق کوئی بھی شخص اپنے دشمن کو اپنا حکمران نہیں بنا سکتا ہے[7]۔ الشیخ علی السیسی (م:1953ء) کے مطابق اس عمل کا مرتکب دراصل یہ تسلیم کر چکا ہوتا ہے کہ غیر مسلم اپنے دین میں بالکل حق پر ہیں۔ جو شخص کسی کافر کو کافر نہ سمجھے بلکہ اس کے عقائد کے ساتھ متفق ہو وہ بھی کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے[8]۔ ان علماء کا موقف مندرجہ ذیل قرآنی آیت کی بنیاد پر تشکیل دیا گیا ہے:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ[9]

یمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں۔

حکومت کا اختیار جس شخص کو سونپا جاتا ہے اس کے ہاتھ میں ملک کا انتہائی اہم اور نازک ترین منصب سونپا جاتا ہے۔ مملکت کے انتہائی حساس راز اسی کے پاس ہوتے ہیں جس کی بنا پر وہ ملک کے مستقبل کو تاریک یا روشن کرنے کا مجاز قرار پاتا ہے۔ اس لیے یہ ملکی دفاعی حساسیت اس امر کی متقاضی ہے کہ مسلمان ریاست کی زمامِ کار کسی مسلمان کے پاس ہی ہونی چاہیے۔ چنانچہ مسلمان علماء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ایسی نوبت ہی نہیں آنی چاہیے جس کے بعد غیر مسلم سماجی سطح سے آگے بڑھ کر سیاسی سطح پر مسلمانوں کے حساس رازوں تک رسائی حاصل کر سکیں۔ مذکورہ آیت کے ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں کہ: ""اولیا" ایسے قلبی دوست ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے رازدار بھی بن جائیں اور ایک دوسرے کے پشت پناہ بھی ہوں۔ یہ تعلق کفار کے ساتھ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے[10]"۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل گیارہ قرآنی آیات بھی مسلمان ریاست میں غیر مسلمان حکمران کے تقرر کو مسترد کرتی ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ[11]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انھیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ ان میں سے ہے، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ[12]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان لوگوں کو جنھوں نے تمھارے دین کو مذاق اور کھیل بنا لیا، ان لوگوں میں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور کفار کو دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرو، اگر تم ایمان والے ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ[13]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ یقیناً انھوں نے اس حق سے انکار کیا جو تمھارے پاس آیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ[14]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم ان میں سے کچھ لوگوں کا کہنا مانو گے، جنھیں کتاب دی گئی ہے، تو وہ تمھیں تمھارے ایمان کے بعد پھر کافر بنا دیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ[15]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، وہ تمھیں کسی طرح نقصان پہنچانے میں کمی نہیں کرتے، وہ ہر ایسی چیز کو پسند کرتے ہیں جس سے تم مصیبت میں پڑو۔ ان کی شدید دشمنی تو ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے سینے چھپا رہے ہیں وہ زیادہ بڑا ہے۔ بے شک ہم نے تمھارے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں، اگر تم سمجھتے ہو۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ[16]

وان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی، یا ان کا خاندان۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا[17]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے لیے اپنے خلاف ایک واضح حجت بنالو۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ[18]

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے بعض بعض کے دوست ہیں۔

كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَى قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ[19]

کیسے ممکن ہے جب کہ وہ اگر تم پر غالب آجائیں تو تمھارے بارے میں نہ کسی قرابت کا لحاظ کریں گے اور نہ کسی عہد کا، تمھیں اپنے مونہوں سے خوش کرتے ہیں اور ان کے دل نہیں مانتے اور ان کے اکثر نافرمان ہیں۔

مذکورہ آیات کا حوالہ دیتے ہوئے امام جصاص لکھتے ہیں کہ:

" وفی هذه الایة ونظائرها دلالة علی ان لا ولایة للکافر علی المسلم فی شئی[20]

اس آیت (آل عمران:28) اور دیگر ایسی طرح کی آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسلمان پر کسی بھی چیز میں کافر کی برتری نہیں ہو سکتی ہے۔

مذکورہ آیاتِ قرآنیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ محمد اسد نے اسلامی ریاست کے غیر مسلموں کی صلاحیتوں سے سیاسی اور انتظامی اعتبار سے فائدہ کرنے کی ایک صورت یہ نکالی ہے کہ ان کو مخصوص وزارتیں سونپی جا سکتی ہیں کیونکہ وزیر، حکمران کے لیے معتمد اور سیکرٹری کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس صورت میں وہ قانون سازی یا پالیسی سازی کے مجاز نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کو اولی الامر تسلیم کیا جائے گا۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہو گا کہ غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے "امتیازی رویہ" کا تدارک ہو سکے گا[21]۔ امام جصاص صرف غیر مسلم کے بطور حکمران انتخاب کو ہی غلط نہیں سمجھتے بلکہ ان کے مطابق مسلمانوں کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کے معاملات میں دخل اندازی کا موقع دیں خواہ وہ غیر مسلم خاندان کا کوئی فرد ہی کیوں نہ ہو۔ کوئی مسلمان اپنی اولاد کی شادی میں کسی غیر مسلم کو بوجہ اختلاف مذہب شامل نہیں کر سکتا ہے۔ ابن عربی نے اس ضمن میں یہ پابندی بھی عائد کی ہے کہ غیر مسلم کو مسلمان فوج کی سربراہی نہیں دی جا سکتی ہے۔ اس ضمن میں ان کو ناقابلِ اعتماد

گردانناچاہیے[22]۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ غیر مسلم کو حکمران منتخب کرنے کا مطلب یہی ہے کہ مسلمانوں کو نظر انداز کر دیا جائے یا ان کو کمتر سمجھ کر پیچھے چھوڑ دیا گیا۔ جو کوئی بھی غیر مسلم کی محبت میں اس حد تک آگے بڑھے گا اس کو اس عمل کی سزا بھگتنی ہو گی[23]۔ الماوردی اور ابن تیمیہ دونوں نے تاکید کی ہے کہ اسلامی ریاست کی مجلسِ شوریٰ کے ارکان کا مسلمان ہونا ضروری ہے بلکہ یہ بھی لازم ہے کہ وہ شرعی تعلیمات میں رسوخ رکھتے ہوں[24]۔ مولانا اسحاق سندیلوی اور مولانا ادریس کاندھلوی نے یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ مجلس شوری کے کارکنان میں نہ صرف علمی و فکری ترفع ہونا چاہیے بلکہ ان کا عملی کردار بھی بے داغ اور بدعنوانی سے پاک ہونا لازم ہے[25]۔

کسی بھی نظام کی تشکیل ایک مخصوص ثقافتی و سماجی پس منظر میں کی جاتی ہے۔ عصر حاجر میں دنیا کے زیادہ تر ممالک میں جمہوریت مروج ہے اس لیے جمہوری پس منظر میں قائم ہونے والے نظام کی خد و خال ماضی میں قائم ہونے والے سیاسی نظاموں سے قدرے مختلف ہوسکتے ہیں۔ جمہوری سیاسی نظاموں کی بنیاد انسان دوستی پر رکھی گئی ہے اس لیے مذہب کو جدید سیاسی نظاموں میں ثانوی حیثیت دی جاتی ہے۔ چنانہ جمہوریت کے حامی اور لبرل ذہن کے مذہبی مفکرین نے اس اصول کی بنیاد پر یہ موقف قائم کیا ہے کہ مسلمان ریاست میں بھی دیگر ریاستوں کی مانند حکمران کے تقرر میں مسلمان ہونے کی شرط کو ختم کر دینا چاہیے۔ اگر مسلمان ریاستوں میں غیر مسلم کے حکمران بننے کو جواز فراہم کر دیا جائے تو یہ غیر مسلم ممالک میں رہائش پذیر مسلمانوں کے لیے بھی سیاسی مفادات کے حصول کے امکانات میں اضافہ کر دے گا۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ حکمران کے تقرر کے ضمن میں روایتی شرائط پر نظر ثانی کریں۔ امام ابن قیم فرماتے ہیں کہ اگر الہامی تعلیمات کی تعبیرات اس انداز میں کی جائیں کہ ان کی وجہ سے کسی مخصوص گروہ کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جائے تو ایسا کوئی بھی قانون اسلامی نہیں کہا سکتا ہے[26]۔

سوڈان کے معروف سیاسی و مذہبی رہنما محمود محمد طٰہٰ نے سوڈان میں "اخوان الجمہوریین" کے نام سے 1945ء میں ایک سیاسی جماعت قائم کی۔ محمود محمد طٰہٰ اپنے عہد کے اعلیٰ سطح کے سیکولر لوگوں میں سے ایک تھے۔ ان کے افکار و خیالات کی بنا پر انھیں مرتد قرار دے کر سابق سوڈانی صدر "گافر نمے ری" نے سزائے موت دلوادی تھی۔ محمود محمد طٰہٰ کا موقف ہے کہ مسلمانوں کے اپنی زندگی کے سیاسی، سماجی، دینی اور خاندانی لائحہ عمل کی تشکیل کے لیے قرآن مجید کی مکی آیات کو مشعلِ راہ بنانا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ میں نازل ہونے والی آیات مین رنگ، نسل، جنس اور مذہب کے امتیاز کو بالائے طاق رکھ کر انسانی مساوات کا درس دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے متقدم و متاخر، علما کے دونوں طبقات نے اس اہم پہلو کو نظر انداز کرتے ہوئے غیر مسلموں پر اپنا تسلط مضبوط کرنے کے لیے قرآن مجید کے مکی حصے کو نظر انداز کر کے مدنی عہد میں نازل ہونے والی آیات سے استدلال اور استشہاد کیا ہے[27]۔ عہد حاضر کے مسلمانوں کے لیے یہ سیاسی منہج انتہائی نقصان دہ ہے۔ موجودہ دور میں یہ طرزِ عمل جمہوری سیاسی تقاضوں سے نبر آزما ہونے میں ناکام ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس اسلوب و مزاج میں تبدیلی پیدا کی جائے[28]۔

اس قبیل کے افکار و نظریات کے پرچار کی بنا پر 1967ء میں طٰہٰ کو سوڈانی حکومت نے گرفتار کر کے ان پر ارتداد کا مقدمہ چلایا تھا۔ عدالت نے ان کے افکار کو غیر موثر قرار دیتے ہوئے ان کو آزاد کر دیا[29]۔ 1985ء میں طہ نے سوڈان میں شرعی قوانین کے نفاذ کے خلاف ایک مہم چلائی جس کی بنا پر ان کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا گیا۔ انھوں نے شریعت کی قانونی بالادستی کے نظریے کو مسترد کر دیا اور اس نظریے کے پرچار پر توبہ کرنے سے بھی انکار کر دیا[30]۔ عدالت میں میں چلنے والی چار گھنٹے پر مشتمل کارروائی میں طٰہٰ اپنے موقف پر ڈٹے رہے جس کے بعد اگلے دن ان کو اپنے چار پیروکاروں کے ساتھ سزائے موت دے دی گئی تھی۔ ان پر لگائے گئے الزامات میں اسلامی قانون کے نفاذ کی مخالفت، عوامی تحفظ میں خلل، حکومت کے خلاف بغاوت

اور کالعدم سیاسی تحریک کا احیاء شامل تھا[31]۔ سوڈانی نژاد امریکی مفکر عبد اللہ احمد نعیم بھی اسی موقف کے حامی ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ مسلمانوں کو اپنے تمام نظاموں کی تشکیل مندرجہ ذیل آیت کی روشنی میں کرنی چاہیے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ[32]

اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔

یہ آیت رنگ، نسل، زبان اور مذہب کی حدود سے بالاتر ہو کر ہر انسان کے لیے تحسین و تائید کی راہ ہموار کرتی ہے۔ یہ آیت مسلمانوں کے لیے ایسا ماحول قائم کرتی ہے جس میں رہتے ہوئے وہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ اسی طرح پیش آسکتے ہیں جس طرح وہ اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی غیر مسلم مسلمان مسلمان ملک کا حکمران بننا چاہے یا کوئی مسلمان کسی غیر مسلم ریاست کا حکمران بننا چاہے تو ان دونوں کو یہ حق حاصل ہو گا[33]۔ عبد اللہ احمد نعیم لکھتے ہیں کہ مسلمان فقہا جس وقت اسلامی شریعت کے اصول و مبادی طے کر رہے تھے اس وقت دنیا میں انسانی حقوق کی کوئی تحریک فعال نہ تھی بلکہ انسانی حقوق کی تحریکیں صدیوں بعد شروع ہوئی تھیں۔ اُس عہد کے حالات و واقعات اور تقاضے مختلف تھے جب کہ آج کے حالات نئے تقاضوں کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہیں[34]۔ اب مذہب کی بنیاد پر انسانی رویوں کی تشکیل نہیں کی جاسکتی ہے کیونکہ بین الاقوامی سطح پر بنیادی انسانی حقوق کا تعین ہو چکا ہے۔ اگر کسی ریاست میں مذہب کی بنیاد پر سیاسی تعامل کی تعمیر کی جائے گی تو یہ انسانی حقوق شکنی کے مترادف ہو گا۔ مسلمانوں کو اس ضمن میں اپنے موقف کی تشکیل نو کرنی چاہیے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو اس موقف کی وجہ سے نہ صرف مسلمانوں اور اسلام کا تاثر خراب ہو گا بلکہ جدید دنیا اس کے سبب کئی مہلک جنگوں سے دوچار ہو سکتی ہے[35]۔ بھارتی مسلمان انجینئر اصغر علی جو اپنے لبرل اور سیکولر مزاج کی بنا پر معروف ہین اور کئی سرکاری اعزازات حاصل کر چکے ہیں، بھی اس موقف کے موید ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ حکومت کے تمام مناصب بشمول صدر، کوئی بھی عہدہ رنگ، نسل یا مذہب کی بنیاد پر نہیں دیا جانا چاہیے بلکہ یہ خالصتا قابلیت کی بنیاد پر تفویض کیا جانا چاہیے۔ اصغر علی لکھتے ہیں کہ ریاست کا کام امن و امان قائم کرنا ہے اس لیے یہ صلاحیت اگر کسی مسلمان سے زیادہ کسی غیر مسلم میں پائی جائے تو یہ عہدہ اس کو دینا چاہیے۔ کو دنبی اکرم ﷺ کے عہد میں نوشیرواں ایک غیر مسلمان حاکم تھا لیکن اس نے انصاف کا بول بالا کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ نے اس کے عہد میں پیدا ہونے کو باعث فخر سمجھا کرتے تھے[36]۔ اصغر علی نے بعد محمد بن علی بن طباطبا ابن طقطقی کی کتاب "الفخری فی آداب السلطانیۃ والدول الاسلامیۃ" کے حوالے سے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ:

> "جب 656ھ (1258ء) میں ہلاکو خان نے بغداد پر قبضہ کر لیا تو اس نے وہاں کے علما سے پوچھا کہ کون بہتر ہے؟ ایک انصاف پسند غیر مسلم حکمران یا ایک ظالم مسلمان حکمران؟ ان میں سے کوئی بھی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ رضی الدین علی بن طاؤس کی جواب دینے کی باری آئی تو اس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا ہوا میں لہرایا جس پر جواب لکھا ہوا تھا "ایک ظالم مسلمان حکمران سے ایک انصاف پسند غیر مسلم حکمران زیادہ قابل ترجیح ہے۔ تمام علماء نے اس جواب پر دستخط کیے اور رضی الدین کے جواب کو مستند قرار دیا[37]۔

مصر کے معروف لبرل ماہر قانون اور عدالت عظمیٰ کے جج محمد سعید العشماوی نے بھی مسلم ملک میں غیر مسلم حکمران کے تقرر کے موقف کی سخت حمایت کی ہے۔ان کا موقف ہے کہ قران مجید کے بعض احکام عارضی نوعیت کے جب کہ بعض مستقل نوعیت ہیں۔عارضی نوعیت کے احکام وقت کے بدلنے کے ساتھ ساتھ غیر موثر ہو جاتے ہیں۔ان احکام کا تعلق نبی اکرم ﷺ کے زمانے اور آپ ﷺ کی قائم کردہ ریاست مدینہ تک محدود تھا۔اس وقت مسلمانوں کا کفار کے ساتھ تصادم جاری تھا اس لیے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو داخلی اور کارجی امور سے متعلق اہم تعلیمات دی تھیں۔اب نہ وہ حالات رہے ہیں اور نہ ہی ملکوں اور ریاستوں کی وہ سرحدیں رہی ہیں۔اس لیے اب احکام میں بھی تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں۔ان ہی تبدیلیوں میں سے ایک تبدیلی مسلمان ریاست میں غیر مسلم حکمران کا تقرر بھی ہے[38]۔العشماوی صراحت کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی وہ آیات جن کا تعلق اس کام کی ممانعت کے ساتھ ہے، وہ محض ماضی کے لیے تھیں اور وہ مخصوص واقعات کے ساتھ مربوط تھیں۔اب چونکہ وہ واقعات ماضی کا حصہ بن چکے ہیں اس لیے ان سے مربوط آیات کی معنویت اور افادیت بھی ختم ہو چکی ہے۔اس وقت مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اس عہد کے تقاضوں سے عہد برآ ہوتے ہوئے عہد جدید کی جمہوریت کے قائم کردہ اصول وضوابط پر پورے اتریں[39]۔ مسلمانوں کی اکثریت پر مشتمل کسی بھی ریاست میں حکمران کے تقرر کی بحث کے ساتھ یہ موضوع بھی سامنے آیا ہے کہ آیا قرآن مجید کی تعلیمات ابدی ہیں یا ان میں سے بعض تعلیمات وقتی اور عارضی نوعیت کی ہیں۔پہلے طبقے کے مطابق قرآن مجید کا مہیا کردہ نظامِ زندگی مستقل نوعیت کا ہے اور تاقیامت اس کی تعلیمات سے سرمو انحراف نہیں کیا جا سکتا ہے۔یہ زمان ومکان کی تفریق کے بغیر کلی طور پر اپنا نفاذ چاہتا ہے۔تاریخ کے کسی موڑ پر اگر بنی نوع انسان کسی منفرد یا مختلف موقف اور نظریے پر متفق ہو جائے تو بھی مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اسلامی اصول و قانون کی پیروی کریں اور غیر اسلامی نقطہ ہائے نظر کو مسترد کر دیں۔اسی اصول کی بنیاد پر اس طبقے کی جانب سے یہ بیانیہ پیش کیا گیا ہے کہ چونکہ قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ریاست کی حکمرانی صرف مسلمان کو دی جا سکتی ہے اس لیے شرعی نقطہ نظر کے مطابق غیر مسلم کو اسلامی ملک میں زمامِ اقتدار کا سونپنا جائز نہیں ہے۔

دوسرے طبقے کے مطابق قرآن مجید کے بعض احکامات مستقل نوعیت کے ہیں جب کہ ان میں کئی احکامات عارضی تھے اور ان کا تعلق محض عہد نبوی اور عرب کے خطے کے ساتھ تھا۔ان میں حکمران کے تقرر کا پہلو بھی شامل ہے۔چنانچہ قران مجید کی وہ آیات اور سنت نبوی کے وہ نظائر جو مسلمان ریاست میں کسی غیر مسلم کی حکمرانی کی ممانعت پر مشتمل ہیں، وہ عہدِ حاضر میں لائق اطلاق نہیں ہیں۔ان کا موقف ہے کہ مسلمانوں کو نصوصِ شرعیہ کے بجائے معاصر انسان دوستی کی بنیاد تشکیل دیے گئے سیاسی نظام کی پیروی کرنی چاہیے۔یہ نظام جمہوری طرز کا ہے اور جمہوریت میں ہر خاص وعام کو بلا امتیاز مذہب اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانے کا موقع دیا جاتا ہے۔اس لیے مسلمان اور غیر مسلم دونوں کو دنیا کی ہر ریاست میں انتظامی مناصب اور عہدوں کر براجمان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہیے۔خالد ابو الفضل لکھتے ہیں کہ صرف مسلمان حکمران پر اصرار کرنا خودسری کی علامت ہے اور اس کی کوئی بھی عقلی توجیہ پیش نہیں کی جا سکتی ہے[40]۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علمی وفکری محاذ پر برپا ہونے والی اس بحث کے پیچھے کوئی عملی مثال بھی موجود ہے یا نہیں؟ اس ضمن میں بنو عباس میں عیسیٰ بن نسطورس بن سورس کا ذکر ملتا ہے جس نے فاطمی حکمران عزیز باللہ کے سور میں بطور وزیر اپنی خدمات سرانجام دی تھیں[41]۔اس کے علاوہ سرکاری عہدوں پر غیر مسلموں کے تقرر کا ذکر تو ملتا ہے لیکن وزارت یا امارت کا ذکر نہیں ملتا ہے۔عصرِ حاضر میں کئی مسلمان ریاستوں میں غیر مسلم حکمران رہے ہیں اور ابھی بھی موجود ہیں۔

معاصر مسلمان ریاستوں میں سے نائجیریا میں 76 فیصد مسلمان ہیں جب کہ ایک عیسائی شخص "Olusegun Obasanjo" اس کا صدر رہا ہے۔ عیسائی ہونے کے باوجود اس کو تین مرتبہ (1976ء تا 1979ء۔ 1999ء تا 2004ء۔ 2004ء تا 2007ء) نائجیریا کا صدر منتخب کیا گیا ہے۔ تیسری مرتبہ 2004ء میں اس نے ایک مسلمان حریف محمد بہاری کے خلاف 62٪ ووٹ لے کر انتخابات جیتے اور کرسیِ صدارت اپنے نام کی تھی۔ نائجیریا کی ہی طرح سینیگال میں مسلمانوں کی آبادی 91٪ ہے۔ یہاں بھی ایک کیتھولک عیسائی شخص "Leopold Sedar Senghor" 1980ء تا 1988ء صدارت کے منصب پر فائز رہا ہے۔

سب سے زیادہ عجیب صورت حال لبنان کی ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی 75 فیصد ہے اور 1947ء سے اب تک وہاں عیسائی صدور کی حکومت رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لبنان نے "میثاق الوطن" پر دستخط کیے تھے۔ اس میثاق میں ایک شق یہ بھی تھی کہ لبنان کا صدر کا مارونائی مسیحی ہونا، وزیر اعظم کا سنی ہونا، پارلیمان کے سپیکر کا شیعہ ہونا، وزیر دفاع کا دروز یا حا کمیہ (شامی نسل کے باطنی اسماعیلی شیعوں کا ایک فرقہ) ہونا اور وزیر خارجہ کا یونانی آرتھوڈوکس عیسائی ہونا لازم ہے[42]۔ یہ میثاق تا حال لبنان پر نافذ ہے۔ تیونس کا قانون یہ واضح کرتا ہے کہ "ملک کا صدر ریاستی سربراہ ہے۔ اس کا مذہب اسلام ہے[43]"۔

الجیریا کے قانون کے مطابق "امیدوار کو ملک کا صدر بننے کے اہل ہونے کے لیے مسلمان ہونا ہو گا[44]"۔

شام کے قانون میں یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ "ملک کے صدر کا قانون اسلام ہونا چاہیے[45]"۔

اردن کے قانون میں بھی صراحت کی گئی ہے کہ "کوئی بھی شخص تخت پر نہیں جائے گا اگر وہ مسلمان نہیں ہو گا[46]"۔

وطنِ عزیز پاکستان کے قانون میں بھی یہی شرط مذکور ہے کہ "کوئی بھی فرد صدارتی انتخاب کے لیے اس وقت تک اہل نہیں ہو گا جب تک وہ مسلمان نہیں ہو گا[47]"۔

جن مسلمان ممالک میں غیر مسلم صدر کے انتخاب کی مخالفت کی جاتی ہے وہ سنی کلاسیکی ادب میں پیش کردہ ان تعلیمات کے پیرو ہیں جن کا تعلق خلافت کے نظام کے ساتھ ہے۔ خلافت میں ریاست کا سربراہ نہ صرف دنیاوی امور کی انجام دہی کرتا ہے بلکہ وہ دینی امور کی سربراہی کا فریضہ بھی سر انجام دیتا ہے۔ اسلامی سیاسی اصطلاح میں اس کو حراسات الدین وسیاسات الدنیا کہا جاتا ہے۔ اسی لیے اس کے پاس موجود طاقت کا تعلق دینی اور دنیاوی معاملات کے ساتھ ہوتا ہے۔ سیاست میں اسلامی ریاست کا سربراہ دشمنوں کے حملوں سے اسلامی خطے کو محفوظ رکھتا ہے[48]۔ جب کہ مذہبی اعتبار سے وہ نمازوں کا امام، حج کا قائد (امیر الحج)، مساجد میں جمعہ اور عیدین کے خطبوں کا واعظ ہوتا ہے۔ ریاستی عوام نہ صرف دنیاوی امور کے حوالے سے خلیفہ پر اعتماد کرتے ہیں بلکہ دینی معاملات میں بھی وہ اس پر انحصار کرتے ہیں۔ عصر حاضر کی سماجی وسیاسی حالت اسلام کے کلاسیکی عہد کے سماجی وسیاسی حالات سے یکسر مختلف ہے۔ اس لیے ان ممکنہ نتائج کو غور کرنا لازم ہے جو ایک مسلمان ریاست پر مسلمانوں کی مرضی کے بغیر غیر مسلم حکمران کے تسلط کی صورت میں سامنے آ سکتے ہیں۔

خلاصۂ بحث

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلامی تعلیمات قطعی ہیں اور ان میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی طے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت کو ابدی شکل دی ہے اور اس سے انحراف کی کوئی بھی صورت سندِ جواز پانے سے قاصر ہے۔ اس لیے پہلے طبقے کا یہ موقف بالکل درست ہے کہ اسلام میں کوئی تغیر یا تبدیلی کرنا حرام ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہے کہ جدید دور کے سیاسی تقاضوں کے ساتھ عہدہ برآ ہونے میں یہ طبقہ کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔ اسلامی مزاج میں موجود اجتہاد کی لچک کو اس ضمن میں کسی حد تک نظر انداز بھی کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ایک عملی کام محض فکری موشگافیوں اور مناظرانہ محاذ کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اگر مسلمان ریاست کا قانون طے ہو جائے اور اس میں تمام پہلو قرآن وسنت کی روشنی میں طے

کر دیے جائیں تو پھر حکمران ان قوانین کو نافذ کرنے پاپابند ٹھہر تا ہے۔ چنانچہ صدر اور عسکری اعلیٰ قیادت کا عہدہ مستثنیٰ کر کے دیگر عہدوں پر قابلیت اور میرٹ کی بنیاد پر کسی غیر مسلم کا تقرر کر دیا جائے جس میں اس کے پاس قانون اور آئین میں تبدیلی کرنے کا اختیار نہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نظر نہیں آتا ہے۔ یہ بھی طے ہے کہ جو لوگ غیر مسلم حکمران کے تقرر کے قائل ہیں ان کی باقاعدہ دینی تعلیم و تربیت کا پسِ منظر سامنے نہیں آسکا ہے اور وہ شریعت اسلامیہ کے اصول و مبادی اور تفصیلات و توضیحات پر عبور نہیں رکھتے ہیں بلکہ ان کا جھکاؤ مغربی افکار کی جانب نظر آتا ہے۔ اس لیے ان کی رائے صائب نہیں ہو سکتی ہے۔

References

[1] Muhammas Asad, Principles of State and government in Islam, University of California Press, Berkeley, (1980), P. 40
[2] Abu Al-Hasan Ali bin Muhammad bin Habib Al-Mawardi, Ahkaam ul Sultaniyah, Mtba'a Al-Mustafa Al-Babi, Qairo, 1393 H, P. 6
[3] Rasheed Ahmed, Muslimanoon k Siyasi Afkar, Idarah Saqafat ul Islamiyah, Lahore, 1999, P. 130
[4] Abdul Rehman Bin Muhammad Bin Khuldoon, Al-Muqaadamah, Far ul Jeel, Berut, Year of Publishing not mentioned, P. 215-217
[5] Taqi ul Din Ahmed Bin Ibn e Taimiyah, Al-Siyasah Al-Shariyah, Matba'a Al-Salafiyah, Qairo, 1399 H, P. 8, 9
[6] Muhammad Noor Hakim, Al-Sahwat ul Islamiyah, Gema Insani Press, Jakarta, Year of Publishing not mentioned, P. 193
[7] Abu AlQasim Mahmoud ibn Omar Al-Zamakhshari, Al-Kashaaf, Mtba'a Al-Mustafa Al-Babi, Qairo, Year of Publishing not mentioned, Vol 2, P. 422
[8] Muhammad Ali Al-Seesi, Tafseer Ayat ul Quran, Matba'a Muhammad Ali Sabeeh, Egypt, Vol 3, P. 5-8
[9] Al-e-Imran: 28
[10] Dr. Israr Ahmed, Biyan ul Quran, Anjuman Khddam ul Quran, Peshawer, 2014, Vol 2, P. 24-25،
[11] Al-Maidah:51
[12] Al-Maidah: 57
[13] Al-Mumtahinah: 1
[14] Al-e-Imran:100
[15] Al-e-Imran: 118
[16] Al-Mujadilah: 22
[17] Al-Nisaa: 144
[18] Al-Anfaal: 73
[19] Al-Taubah: 8
[20] Abu Bakar Ahmed bin Ali Al-Razi Al-Jassas, Ahkam ul Quran, Sharakah Maktabah wa Matba'a, Qairo, Year of Publishing not mentioned, Vol 2, P. 290
[21] Muhammad Asad, Principle of state, Islamic Book Trust, Kuala Lampur, 2007, P. 62, 63
[22] Ibn e Arabi, Ahkaam ul Quran, Dar ul Kutub Al-Ilmiyah, Berut, Year of Publishing not mentioned, Vol 2, P. 138
[23] Imad u Din Ibn e Kathir, Tafseer ul Quran Al-Azeem, Dar ul Fikar , Berut, 1992, Vol 1, P. 493
[24] Ahkaam ul Sultaniyah, P. 7
Al-Siyasah Al-Shariyah, P. 80

[25] Muhammad Ishaq Sandhelwi, Islam ka Siyasi Nizam, National Book Foundation, Islamabad, 1989, P. 198
Muhammad Idrees Kandhalwi, Dastoor e Islam , Maktabah Islamiyah, Lahore, Year of Publishing not mentioned, P. 53-54
[26] تفصیل کے لیے دیکھیے:
Ibn ul Qayyam Al-Jauzi, I'laam ul Muwaqqi'een 'an Rabb il 'Aalameen, matbuaat ul Islam, Qairo, 1989, Vol 3, P. 3
[27]Ibid
[28] Muhammad Mahmood Taha, The Second Message of Islam, Syracuse Press, Sudan, (1987), P. 10-15
[29] Gabriel Warburg, Islam, Sectarianism, and Politics in Sudan Since the Mahdiyya. University of Wisconsin Press, , (2003), p. 162
[30] Ibid, P. 162
[31] Wright, Robin. Sacred Rage: The Wrath of Militant Islam. p. 203.
[32]Al-Hujurat: 13
[33]Sacred Rage: The Wrath of Militant Islam, P. 268
[34]Ibid
[35]Ibid, P. 220
[36]Ibid, P. 162
[37]Muhammad Bin Ali bin TabaTaba Taqtaqi, Al-Fakhri Fi Adaab el Sultaniyah Wa Al-Duwal Al-Islamiyah, Dar ul Saadir, Berut, Year of Publishing not mentioned, Vol1, P. 1
[38]Muhammad Saeed Asmawi, Against Islamic Extremism, Desantra Press, Depok, P. 181
[39]Ibid, P. 13
[40] Muhammad Abu alFazal Khalid, Speaking in God's Name, One World Publications, UK, (2003), P. 140-146
[41] Al-Imad, Leila S, The Fatimid Vizierate (979-1172), Klaus Schwarz Verlag, Berlin, (1990), P. 164, 173–174
[42] Binder Leonard ،Politics in Lebanon, John Wiley and Sons Incorporation, New york, (1996), P. 276
[43] Article: 38
[44] Article: 73
[45] Article: 4
[46] Article: 28
[47] Article: 41
[48]Muhammad Yousif Musa, Nizam ul Hukm fi Al-Islam, Dar ul Kitab, Qairo, 1963, P. 169